مجید امجد: ماحولیات،فطرت،مقامیت،اورثقافت کا شاعر

محمد اشرف
کامران عباس کاظمی

Abstract:

Majeed Amjad: A poet of Ecology, Nativeness, Nature and culture. In the poetic works of Majeed Amjad we find the glimpses of natural things and elements, scenic environment, Ecological aesthetics , Ecology of climate change, nativeness, Eco village, Eden-like gardens and local civilization and culture. In his poems there are the people living in a society, hardworking labourers and the farmers along with all the colours of the feministic political ecology, that we often find in urban and rural ecology. Especially the Eco village where there are courtyards of mud houses, chirping sparrows, mango trees loaded with pollen grains, gentleness of spring winds, rains and sunshine, lush green crops and those realities of life that run the whole system of the world. The setting that we see in the poetry, rather some of his poems, shows that Majeed Amjad is a creator of poeticizing ecology, nature, nativeness and culture.

آغاز سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ مجید امجد نے جہاں پر اپنی شاعری بالخصوص اپنی نظموں میں زندگی کے سماجی و معاشی مسائل پر بات کی ہے وہیں پر وہ فطرت کے اسرارورموز،خوبصورت زمینی مناظر،ماحولیاتی جمالیات،موسموں کے بدلاو،دیہات کے حسن ،مقامی ثقافت ،اور باغات کی بہشت نما ماحولیات کا شاعر بھی ہے۔کیونکہ ان کی نظموں میں زندگی کے مسائل ومعاملات کے سبھی رنگ نمایاں نظر آتے ہیں۔مجید امجد کی ان نظموں میں دیہات کا سادہ ماحول بھی ہے اور زندگی کا جبر سہتے ہوئے محنت کشوں اور مزدوروں کی زندگی کے شب و روز کا احوال بھی۔درختوں پرندوں کچے گھروں،دھول سے اٹے ہوئے رستوں اور زندگی کے تحرک سے گل وگلزار ہوتے ہوئے کھیت کھلیانوں سے آراستہ مجید امجد کی یہ نظمیں ہمیں ایک ایسے فطری اور قدرتی ماحول میں لے جاتی ہیں جہاں ہم دیہات کی سادگی مقامیت اور تانیثیتی حسن سے واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ مجید امجد کی پیدائش،۲۹ جون۱۹۱۴ء

کومگھیانہ، ضلع جھنگ میں ہوئی۔ اسلامیہ ہائی سکول جھنگ سے دسویں جمات کا امتحان پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔اے کی سند حاصل کی۔ جھنگ سے شائع ہونے والے، اخبار، عروج کی ادارت کے ساتھ ساتھ انہوں نے سرکاری ملازمت کی تلاش بھی جاری رکھی یوں ۱۹۴۴ء میں انہیں سرکاری ملازمت مل گئی۔ ان کی شادی ان کی کزن سے ہوئی جو پرائمری سکول میں استانی تھیں، ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہو پائی۔ ان کی ریٹائرمنٹ ۱۹۷۲ء میں ہوئی مگر انہیں ان کے یومِ وفات ۱۱ مئی ۱۹۷۴ء تک پنشن نہ مل پائی۔ اور ان کا انتقال انتہائی تنگ دستی کی حالت میں ہوا۔

آورد، وسعتِ فکر اور تخلیقی ہنر مجید امجد کی نظم کی شاعری کی شناخت ہیں۔ ان کی شاعری شعور ذہانت اور فنی ہنر کاری کے آلات سے مزین ہے جو زندگی کی گھتیوں کو سلجھاتی اور ہمیں زندگی کے تروتازہ فلسفے سے آراستہ کرتی ہے۔ انہوں نے، موجِ تبسم کے عنوان سے پہلی نظم تب کہی جب وہ اٹھارہ سال کے تھے۔ مجید امجد کی نظم فکری بالیدگی فنی ہنر کاری اور زندگی کی نیرنگیوں سے بھرپور ہے۔ زندگی جینے کے لئے عام لوگوں کی بھاگ دوڑ اور مشکلات و مسائل سے ان کے ٹکراو کے نتیجے میں سامنے آنے والے عوامل و نتائج کو مجید امجد گہری نظر سے دیکھتے ہیں۔ وارداتِ قلبی کے اس شاعرانہ اظہار نے ان کی نظم کو سبق آموز اور پرتاثیر بنا دیا ہے۔ دکھ درد اور انسانی خوشیوں کو ایک نئے فلسفیانہ تناظر میں دیکھنے اور موجود کو نئی تاویلات کے ساتھ ہمارے سامنے لانے کا جو ہنر مجید امجد کو حاصل ہے وہ ہمیں مجید امجد کی نظموں کی صورت میں نئے تجربات اور حسی مشاہدات عطا کرتا ہے کیونکہ ان کی نظموں میں حرکیت، عملیت اور زندگی کے ہونے کا مثبت جواز موجود ہے۔

اس کے ہاں زندگی کی تخلیق و تعبیر کے ساتھ ساتھ نئے تغیرات اور تہذیب کا ایک داخلی نظام بھی موجود ہے جو قاری کے اندر جذبہ تعمیر اور اصلاح کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ ہوئیں، موسمیاتی بدلاو، بارش، تیز ہوائیں، پہاڑی راستے، مدد کاری کا جواز اور عملی فوائد، انسان اور انسانیت کی اہمیت اور تعظیم کا احساس اور رب کی بنائی ہوئی زندگی کی حقانیت کی جو تعبیریں مجید امجد کی شاعری ہمیں دان کرتی ہے ایسا احساس و عمل بہت کم شعرا کے ہاں دکھائی دیتا ہے۔ اس کے ہاں شاعری کا ملکہ معجزہ کن کا اثبات ہے جس میں شعور کی ایسی رو موجود ملتی ہے جسے سمجھ کر ہم زندگی میں اور محنت کرنے پر مائل ہو جاتے ہیں۔

جہاں پر اس کی نظم ماحول اور ماحولیاتی فضا سے جڑی ہوئی ہے۔ وہیں پر عناصرِ فطرت کے دوام اور خوبصورتی کے احساس نے اس کی شاعری کو اور زیادہ پراثر اور خوبصورت بنا دیا ہے جس کی استعاراتی سچائی قاری کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے۔ اس لئے ہم اگر مجید امجد کو، ماحولیات، فطرت، مقامیت اور ثقافت کے رنگوں کا شاعر کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اس کے ہاں موجود نظموں میں ہمیں کچے گھرانے، کچی بستیاں، باغات، اور پرتغیر شہری زندگی کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ مجید امجد کی نظم میں دیہات کے مناظر کی وہ سادگی دکھائی دیتی ہے جہاں ہمیں چڑیاوں کی چہچہاہٹ کنوئیں کے رہٹ کی موسیقیت سے بھری وازیں، ندیوں کے بہنے کا مترنم شور، دھول سے اٹے کچے راستے، بیل گاڑیوں کے پہیوں کی چرچراہٹ اور مست ہواوں کی اٹکھیلیاں دکھائی دیتی ہیں۔ جو فصلوں کو چھوتی ہیں تو دور تک پھیلی لہلہاتی ہوئی

فصلیں رقص کرنے لگتی ہیں۔ ایکو ویلیج کے یہ فطری مناظر زندگی کے امرت سے بھرپور ہیں۔ جہاں پر ہمیں ہر طرف، دیہی سماج کا حسن بکھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ دیہات کی ان شبنمی راتوں کو ہم چاندنی میں نہایا ہوا دیکھتے ہیں ۔صبحدم سورج کو سمان پر چڑھتا اور سرِ شام اترتا ہوا دیکھتے ہیں۔ مجید امجد کی ان نظموں میں ہمیں ٹھنڈی ہواوں کے تھپیڑے، پیڑوں اور فصلوں کا لہلہانا اور فطری اشیا و عناصر کا تحرک ہمیں اپنا دیوانہ بنا لیتا ہے۔ ان کی شاعری اسی سادگی اور دیہی جمالیات پر بس نہیں کرتی بلکہ ہمیں ان سبھی تغیرات اور بدلتے ہوئے رنگوں موسموں اور زندگی کے معاملات و مسائل کا فلسفہ بھی سمجھاتی ہیں۔ ایک ایسی نظمیہ شاعری کہ جہاں ہم مقامیت کو جلوہ فرما دیکھ سکتے ہیں اور مقامی ثقافت کے سبھی رنگ ہمیں بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

یہ ایک ایسی شاعری ہے جس کے سبھی سوتے موجود ماحول سے پھوٹتے ہیں اور شاعر ان کی تجسیم کاری کرتا چلا جاتا ہے۔ نظم، ہری بھری فصلو، میں سے یہ اشعار ملاحظہ کیجئے:

زندگیوں کے تپتے جزیروں پر
رکھ رکھ کے قدم ہم تک پہنچی
عظمتِ فطرت، طنطنۂ آدم
جھومتے کھیتو، ہستی کی تقدیرو،
رقص کرو!
دامن دامن پلو،
جھولی جھولی ہنسو!
چندن روپ سجو
ہری بھری فصلو!!

مجید امجد کی نظمیں اپنے اندر ماحولیات کے بہت سے اہم مباحث سمیٹے ہوئے ہے۔ جن میں ارضی اور، فطری عناصر باغات کا بہشت نما ماحول ہے۔ مجید امجد کے اپنے بچپن اور جوانی کے دن ہیں جن میں بچپن کی ماحولیات کے ساتھ ساتھ شہری ماحول، اربن ایکولوجی کے رنگ اپنی بھرتوانائی کے ساتھ موجود دکھائی دیتے ہیں جب انہوں نے گورنمنٹ ہائی سکول جھنگ میں تعلیم حاصل کی۔ جہاں کے زمینی مشاہدات اور حسی تجربات اس کی روح کے ماحول کا یعنی حصہ بن گئے۔ یہی روحانی ماحول ازاں بعد ان کے شعری تجربے میں ڈھلا جہاں دیہات، مقامیت، فطرت اور دیہی جمالیات کے نقوش اس کی شاعری میں سامنے آتے چلے گئے۔

مجید امجد کی نظموں میں موجود مختلف اشیا و اجزا اور عناصرِ فطرت یعنی دیہات اور شہری مضافات میں موجود کچے گھروندے، پرندوں بالخصوص، چڑیوں کی آوازیں، آموں کے بور لدے چھتنار، تلسی کے پودوں سے ٹکراتے ہوا کے تھپیڑے، پڑوسن کا آنگن، اور وہاں سے آتی ہوئی چوڑیوں کے چھنکنے کی آوازیں، یہ سبھی دیہی

ماحول، Ecovillage کی منظر کشی کرتی ہیں۔ دیہات کی سادگی اور دور تک موجود سرسبز فصلیں وہاں کے رہنے والے باشندوں کو ہشاش بشاش اور طاقتور بنائے رکھتی ہیں کیونکہ وہ ہر وقت فطرت سے جڑے رہتے ہیں۔ یہ زندگی ان کے ماحول کے فطری حسن کو باعثِ کشش بناتی ہے۔ جہاں بادل بارش، ہریالی، بچوں کے کھیل اور باغوں کی بہاریں دیہات کی جمالیات کو جنت نما بنا دیتی ہیں۔ ان سبھی بہشت نما مناظر کو مجید امجد اپنی شاعرانہ حسیات اور مشاہدات کے ذریعے اپنے اندر جذب کرتا ہے اور پھر اپنی نظم میں اسے تجسیمی انداز میں پینٹ کرتا چلا جاتا ہے۔ دیہات کی ماحولیات کیا ہے؟ اس کی وضاحت ویب گاہ میں ان سطور میں کی گئی ہے۔

> "An ecovillage is a traditional or intentional community with the goal of becoming more socially, culturally, economically, and/or ecologically sustainable"2

دیہی ماحولیات، سماجی ثقافت اور معاشی اعتبار سے ہمہ وقت ایک ایسے سفر کی طرف گامزن رہتی ہے جہاں اسے ترقی کا ہنر عطا ہوتا ہے۔ یہ اقدار ایک دیہی ماحولیات کو اور زیادہ دلکش اور ترقی یافتہ بنانے میں بہتر طور پر اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ مجید امجد دیہی ثقافت سماجی ترقی اور معاشی برتری کا خواب دیکھتے ہیں۔ جہاں ان کی نظموں مین ہمیں ہمیں مزدور کی بہتری اور فلاح و بہبود کے حوالے سے مثبت اور ہمدردانہ جذبات ملتے ہیں۔ وہیں پر وہ دیہات میں اگی ہوئی ہری بھری فصلوں کو اپنی نظموں میں اس انداز سے پینٹ کرتے ہیں کہ یہ فصلیں معاشی اور سماجی ترقی کا ایک اہم زینہ ثابت ہوتی ہیں۔ جہاں کسان وافر غلہ اپنے گھر لا کر مسکرا اٹھتا ہے اور اس کی امید کبھی نہیں مرتی۔

اگر ہم مجید امجد کے اس رویئے کو دیکھیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مجید امجد، امید کی ماحولیات کے بہت بڑے علمبردار ہیں۔ ایکولوجی آف ہوپ، امید کا ایک ایسا دروازہ ہے جو کبھی بھی مجید امجد کے ہاں ان کی تخلیقات کے کے اندر ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ اور ہمیشہ بے کسوں کا ہاتھ تھام کر انہیں منزلِ مقصود تک پہنچنے میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ ایکو ویلیج، دیہی ماحولیات کی زندگی کو مجید امجد کی پر امید سوچ ہرا بھرا اور معاشی طور پر طاقتور بنائے رکھتی ہے۔ تاکہ دیہی سماج مثالی طور پر منفرد ثقافت کا حامل رہے۔ ہوا کے جھونکے، چڑیوں کی چہچہاہٹ، لرزتی ہوئی تلسی کے پودے کی ٹہنیاں، اور پڑوسن کے نگن میں پانی کے نلکے کے چلنے کی وجہ سے بلند ہوتی ہوء ہمسائی کی چوڑیوں کی چھنچھناہٹ کا شور دیہی جمالیات، ایکولوجیکل ایستھیٹکس، کے اس رنگ کو اجاگر کرتے ہیں جس کا تعلق گہرائی کی حد تک شاعر کے دل کی دنیا سے ہے۔ دیہات کے ماحول کے حوالے سے مجید امجد کی نظم، امروز میں سے یہ چنیدہ اشعار دیکھیے۔

یہ صبہائے امروز، جو
صبح کی شہزادی کی
مست انگڑائیوں سے ٹپک کر

یہ دورِ حیات گئی ہے
یہ ننھی سی چڑیاں
جو چھت میں چہکنے لگی ہیں
ہوا کا یہ جھونکا،
جو میرے دریچے میں
تلسی کی ٹہنی کو لرزا گیا ہے
پڑوسن کے نگن میں
پانی کے نلکے پہ
یہ چوڑیاں جو چہکنے لگی ہیں
یہ دنیائے امروز میری ہے
میرے دلِ زار کی
دھڑکنوں کی امیں ہے[۳]

مجید امجد کی شاعری میں درخت، پھول، پودے، انسان، جانور، پرندوں اور کائنات کا فطری حسن ٹھاٹھیں مارتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس شاعرانہ ماحولیات ایکولوجی اف پوئٹکس، میں ہم بارشیں، بادل، ہواوں کے شور، صبح و شام اور رات کے مناظر، چاندنی راتوں کے سحر خیز نظارے، پرندوں کے گھونسلے، چوڑیوں، پازیبوں اور فضا میں ترنم بکھیرتی ہوئی گھنگھروؤں کی صدائیں سنتے ہیں۔ جو ہمیں ہماری زندگی کے لافانی حسن سے جوڑے رکھتی ہیں۔ اور ہمیں کہیں پر بھی زندگی سے مایوس نہیں ہونے دیتیں۔ دراصل مجید امجد کی شاعری کا یہی ماحول ہی اظہارِ ذات اور اظہارِ کائنات کی ایک داخلی شکل ہے جو خارج سے داخل کے روپ میں ڈھلتے ہوئے ان کی نظموں کا حصہ بن جاتی ہے۔ جس کی ایک عمدہ مثال مجید امجد کی نظم، صاحب کا فروٹ فارم، ہے۔

تمام چاندی
جو نرم مٹی نے
پھوٹتے بور کی
چٹکتی چنبیلیوں میں
انڈیل دی ہے
تمام سونا جو پانیوں
ٹہنیوں شگوفوں میں بہہ کے
ان زرد سنگتروں میں ابل پڑا ہے

تمام دھرتی کا دھن
جو بھیدوں کے بھیس میں
دور دور تک
سر دڈالیوں میں بکھر گیا ہے
رتوں کا رس ہے۔
سبو میں بھر لو[۴]

سرمایہ داری کے نظام نے انسان کی جمالیاتی اقدار Ecological Aesthetics کی تاثیر کم کر دی ہے۔ جس کی وجہ سے یکساں برانڈ اور یکسانیت کا ماحول جنم لے رہا ہے۔ ایسے میں مجید امجد کی شاعری ہمیں زندگی کے انفرادی رنگوں اور نت نئے ذائقوں سے آشنا کرتی ہے۔ جہاں ہم مشینی زندگی سے دور انسانی زندگی کے اس دور کو قریب سے دیکھتے ہیں جہاں کی صبحیں روشن اور جاندار ہیں جہاں کسان اور مزدور اپنے اوزار لے کر جفاکشی اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سارا سارا دن اپنا خون پسینہ ایک کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

جہاں ابھی بے حسی کی شدت موجود نہیں ہے۔ اور نہ ہی زندگی تصنع آمیز ہو پائی ہے۔ ورنہ آج کے دور کا انسان تو سماجی تغیر پذیری کے ہاتھوں منافقانہ ماحول کی زد میں آچکا ہے جہاں اسے پہلے دور کے انسان سے زیادہ سماجی استحصال کا سامنا ہے کیونکہ کمپیوٹرائزڈ اور ڈیجیٹل نظام ہر ایک شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتا خاص طور پر کسان اور مزدور طبقہ ہمیشہ سرمایہ دار کے ظلم اور استحصال کا شکار ہوئے ہیں۔ اپنے موجود عہد کی ماحولیات کے مزدور اور کسان کی زندگی کے استحصال کو مجید امجد نے قریب سے دیکھا بھی ہے اور محسوس بھی کیا ہے۔ ماحولیاتی تغیر پذیری کیا ہے؟ اسے ویب گاہ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

> "Ecological variables are known to influence mate choice in many different ways: communication systems are shaped by the sensory environment, Expression of condition-dependent signals and preferences are limited by ecological factors such as food abundance and predation pressure"5

درخت ہمارے ماحول کا لازمی حصہ ہیں، ماحول کی بہتری، تازہ ہوا اور آکسیجن کی مناسب ضرورت، بارشوں کے نظام کی بحالی، درجہ حرارت پر قابو موسمیاتی بدلاو میں تغیر پذیری کا انحصار زیادہ سے زیادہ درختوں کے ہونے پر ہے، جنگل ایک ایسا ایکوسسٹم ہے جہاں، پرندے، فضائی زمینی اور آبی جانور، پودے اور درخت سبھی ہماری زندگی کو یقینی بناتے ہیں۔ ہم کائنات مرکز نہیں بلکہ اس کائنات کا حصہ ہیں ایسے ہی کہ جیسے دوسرے جاندار ہیں۔ ہماری بقا کا بہت ہی اہم ذریعہ درخت اور پودے ہی ہی ہیں۔ مجید امجد نے اپنی نظم توسیع شہر، میں درختوں کی اسی ضرورت اور

اہمیت پر زور دیا ہے۔ جہاں، گھنے اشجار ہیں جو بہتی اور ناچتی گاتی ہوئی نہر کے کنارے پر کھڑے ہیں مگر انسان کے لالچ اور بے حس طبع نے ان کو بیچنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

مجید امجد اس بے حسی پر کڑھتے ہیں اور طنز آمیز رویہ اختیار کرتے ہوئے اس امر پر شدید دکھ کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ وہ درخت جو دھرتی اور ماحول کا بخت بھی تھے اور فطرت کا حسن بھی تھے اب جب انہیں بے دردی سے کاٹا جا رہا ہے تو اس دیہات اور نہر کا نقشہ بدل جائے گا جہاں دھوپ اور ویرانی ڈیرہ ڈال لے گی۔ ماحول میں پیدا ہونے والی یہ اچانک تبدیلی ایک غیر فطری عمل ہے کے ساتھ ساتھ ماحول دشمن عمل بھی ہے جس سے پرندے انسان اور جانور سبھی متاثر ہوتے ہیں۔ مجید امجد اپنے ماحول اور ماحولیاتی نظام سے بے حد محبت کرتا ہے۔ اسے احساس ہے کہ درخت ہمارے ماحول کو ٹھنڈک اور وافر مقدار میں کسیجن فراہم کرتے ہیں۔ گرین ہاوس گیسیں اور بڑھتے ہوئیدرجہ حرارت دونوں میں ہونے والا تیز تر اضافہ سے نہ صرف ہمیں کرونا جیسی وبا کا سامنا کرنا پڑا ہے بلکہ نے والا دور انسانی زندگی کے لئے بہت سے جان لیوا خطرات لے کر رہا ہے۔ یہ تازہ معاملات عہدِ موجود سے متعلق سہی مگر مجید امجد کے ہاں ان خطرات کا احساس کہیں پہلے سے ہی موجود تھا اس لئے وہ ہماری توجہ درختوں کی موجودگی اور اہمیت کی طرف دلاتے ہیں۔ کہ درختوں کا ہونا ہماری زندگی کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

مجید امجد اپنی نظم توسیعِ شہر کے ان چنیدہ اشعار میں اس منفی عمل کے خلاف کچھ یوں صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں:

جن کی سانس کا ہر جھونکا تھا ایک عجیب طلسم
قاتل تیشے چیر گئے ان ساونتوں کے جسم
گری دھڑام سے گھائل پیڑوں کی نیلی دیوار
کٹتے ہیکل گرتے پنجر چھٹتے برگ و بار
سہمی دھوپ کے زرد کفن میں لاشوں کے انبار
آج کھڑا میں سوچتا ہوں اس گاتی نہر کے دوار
مجھ پر بھی اب کاری ضرب اے آدم کی آل [۶]

انسان نے فطرت کے موجود نظام میں دخل انداز ہوتے ہوئے قدرتی وسائل کو اجاڑ کر رکھ دیا ہے، جس کی وجہ سے دھرتی کا فطری حسن مجروح ہونے کے ساتھ ساتھ قدرتی وسائل کے ضیاع عمل بھی دیکھنے میں آیا ہے۔ گلوبل وارمنگ Global warming, پہلے سے زیادہ خطرناک حد تک بڑھی ہے، درجہ حرارت میں اگر اسی طرح سے اضافہ جاری رہا تو اس صدی کے آخر تک مجموعی طور پر درجہ حرارت میں مزید دو درجے تک کا اضافہ ہو جائے گا۔ جس کی وجہ سے گرین ہاوس گیسز Green house gasses کی تہ میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ کاربن مونو آکسائیڈ اور فاضل مادوں کے علاوہ ہسپتالوں اور فیکٹریوں سے نکلنے والے زہریلے فضلہ جات کو بھی ری سائیکل نہ

کرنے کی وجہ سے زمینی زندگی کو شدید تر خطرات لاحق ہوں گے۔

مجید امجد نے جہاں اپنی نظموں میں، ندی کنویں اور نلکے کے پانی کے استعمالات کی جھلک پیش کی ہے یہ دیہی زندگی کے سادہ اور دیسی سماج اوثقافت کی علامتیں ہیں۔

نظم بوڑھا پنواڑی، دنیا کی بے ثباتی کا عکس پیش کرتی ہے۔ مجید امجد کی یہ نظم ہماری دیہی زندگی کی ایک خوبصورت نمونہ ہے جس میں ہمیں اپنی ثقافتی ماحولیات (Cultural ecology) دکھائی دیتی ہے۔

عمر اس بوڑھے پنواڑی کی پان لگاتے گذری
چونا گھولتے، چھالیا کاٹتے، کتھا پگھلاتے گذری
سگریٹ کی خالی ڈبیوں کے محل سجاتے گذری
کتنی شرابی حسرتوں سے نین ملاتے گذری
چند کسیلے پتوں کی گتھی سلجھاتے گذری
کون اس گتھی کو سلجھائے، دنیا ایک پہیلی ہے[۷]

مجید امجد کی نظموں میں جہاں ہماری ثقافت کی جھلک نظر آتی ہے وہاں ہم اپنے آپ کو مقامی زندگی کے منظر نامے سے بھی جڑا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ ہے ان کی نظموں میں جہاں پر فطری مناظر کی خوبصورتی موجود ہے وہاں پر ہم دیہات کے رسوم ورواج کھیتی باڑی اور کاروبارِ معاش کی جھلکیاں بھی دیکھتے ہیں۔ ان نظموں کے متون سے ہمیں، قناعت پسندی، محنت مزدوری، توکل پرستی، اور قوانینِ فطرت کی پاسداری کا درس ملتا ہے۔ جہان ان نظموں میں زندگی کے گونا گوں مسائل ومعاملات سے الجھنے کا شعور ایک دائمی سمجھوتے کی صورت میں ملتا ہے وہیں پر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ زندگی کو بہتر طور پر گذارنے کے لئے صبر اور قوتِ برداشت کا ہونا بھی بے حد ضروری ہے۔ اس لئے ہم تقدیر پر قناعت کرنے کے ساتھ ساتھ محنت اور مزید آگے کے سفر کو طے کرنے کا حوصلہ بھی پاتے ہیں جو زندگی کی ایک مثبت قدر ہے۔ اس نکتے کو سمجھنے کے لئے مجید امجد کی اس نظم کے کچھ اشعار پڑھیئے:

گلستاں میں کہیں بھنورے نے چوسا
گلوں کا رس شرابوں سا نشیلا
کہیں پر گھونٹ اک کڑوا کسیلا
کسی سڑتے ہوئے جوہڑ کے اندر
پڑا اک رینگتے کیڑے کو پینا
مگر مقصد وہی دو سانس جینا[۸]

جینا اور جینے کے لئے سعی کرنا انسانی تقدیر ہے۔ انسان نہ ہی اپنی مرضی سے اس دنیا میں یا ہے اور نہ ہی اپنی مرضی سے وہ اپنی عمر طے کر سکتا ہے۔ وہ مجبور محض ہے۔ اسے زندگی اور اس کی مجبوریوں سے سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ مجید

امجد کی نظموں میں برتی جانے والی تشبیہیں، استعارات اور شعری اجزا و عناصر اپنی موجود مقامیت سے جڑے ہوئے ہیں جہاں صبح و شام کا ہونا۔ تاروں کا چمکنا، جنگلوں کی پراسراریت، سرکنڈوں اور گاتی نہروں کی عظمت، پہاڑوں، سرخ رنگ کے پھولوں، ریت کے ٹیلوں، چہچہاتی ہوئی بن کی چڑیوں، کھنکھناتی ہوئی چوڑیوں، اور نسائیت کے دلکش رنگ موجود ہیں۔ یہ سبھی رنگ مقامیت کے رنگ ہیں جو کہ ہماری زندگی کے چہرے کو پر بہار بنا کر ہمارے سامنے لاتے ہیں۔ ان رنگوں کی ایک جھلک نظم بن کی چڑیا کی ان سطور میں دیکھئے:

صبح سویرے بن کی چڑیا من کی بات بتائے
جنگل میں سرکنڈوں کی کونپل پر بیٹھی گائے
کیا گاتی ہے کیا کہتی ہے کون اس اس بھید کو کھولے؟
جانے دور کے کس ان دیکھے دیس کی بولی بولے
کون سنے ہاں کون سنے ہاں راگ اس کے البیلے
سب کے سب بہرے ہیں، میداں، وادی، دریا ٹیلے
ظالم تنہائی کا جادو ویرانوں پر کھیلے
دور سرابوں کی جھلمل روحوں پر آگ انڈیلے[۹]

مزدور کی زندگی صدموں المیوں اور محرومیوں کا حبس سہتی ہے، آگ کی تپش کو خونِ جگر سے بجھاتی ہے اور پھر اس میں سے پھول کھلاتی ہے۔ مجید امجد کی کچھ نظمیں مزدکی سختیوں اور مزدور کی سسکیوں کے نوحہ سوز سے خلق ہوئی ہیں۔ اس نے خود بھی ایک مزدور کی طرح شہر در شہر مراجعت کی جس کا احساس اس کے ہاں شدت سے موجود ہے۔ وہ مزدور کے خیر خواہ ہیں۔ اور اس کے شکر گذار بھی کہ اس کے پسینے کی خوشبو سے ہی دھرتی کی تقدیر بدلتی ہے۔ مجید امجد کی نظم، بارکش، کے یہ اشعار ملاحظہ کیجئے:

لیکن تیری ابلتی آنکھیں، آگ بھری پر آب
سارا بوجھ اور سارا کشٹ ان آنکھوں کی تقدیر
لاکھوں گیانی من میں ڈوب کے ڈھونڈیں جگ کے بھید
کوئی تری آنکھوں سے بھی دیکھے دنیا کی تصویر[۱۰]

مجید امجد کے ہاں سماجی ہمدردی، سمجھوتے اور معاونت کا جذبہ موجود ہے جو اس کے ہاں اشعار و افکار میں ڈھل کر ایک مثبت پیغام کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ سماجی ماحول (Social ecology) سے جڑے رہنے اور لوگوں کو اپنے جیسے دوسرے لوگوں کی مدد کرنے کے لئے تیار کرنا مجید امجد کے ہاں کچھ پانا ہے، ان کے مطابق جھکے ہوئے پیڑوں پر ہی پھل آتا ہے اور متکبر یا سیدھا کھڑا ہوا پیڑ نہ تو پھل پاتا ہے اور نہ ہی آندھیوں کی یورش میں محفوظ رہ پاتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئیے کہ: دنیا ایک دوسرے کی مدد کے لئے بنائی گئی ہے، وہ صاحبانِ ثروت کہ جن کے پاس

طاقت بھی ہے اور بے حساب دولت بھی، مگر وہ دنیا میں موجود اپنے ہم نفسوں کی کوئی سماجی و معاشی مدد سرانجام نہیں دے پاتے تو ان کا رتبہ ان مزدور اور غریب لوگوں سے زیادہ اونچا نہیں ہوسکتا کہ جن کے ہاتھ دوسروں کی مدد رہنمائی اور دستگیری کرتے ہیں۔ اس امر کی مثال مجید امجد نے ایک درخت کی صورت میں پیش کی ہے۔ جو ایک غار نما کھائی کے دہانے پر کھڑا ہے اور ہر تے جاتے ہوئے مسافر کا ہاتھ تھام کر اپنی جھکی ہوئی شاخوں کی مدد سے اسے کھائی میں گرنے سے بچا کر اس کی منزل کی طرف اسے دھکیل دیتا ہے۔ مجید امجد کی یہ نظم پڑھیئے:

جھک پڑا ہے آ کے رستے پر کوئی نخلِ بلند
تھام کر جس کو گذر جاتے ہیں آسانی کے ساتھ
موڑ پر سے ڈگمگاتے رہرووں کے قافلے
ایک بوسیدہ خمیدہ پیڑ کا کمزور ہاتھ
سینکڑوں گرتے ہوؤں کی دستگیری کا امیں
آہ! ان گردن فرازانِ جہاں کی زندگی
اک جھکی ٹہنی کا منصب بھی جنہیں حاصل نہیں[۱۱]

یہ نظم سماجی ماحول، مقامیت، محبت، معاونت اور باہمی انسانی تعلقات میں پختگی لانے کا ایک نظریہ ہے جس پر عمل کسی بھی معاشرے میں تیز رفتار ترقی کا موجب بن سکتا ہے۔ مجید امجد کثیر الموضوعاتی شاعر ہے مگر ماحولیات کے موضوع پر بات کی جائے تو مجید امجد کی نظمیں ہمیں ماحولیات اور ماحولیاتی مباحث کے حوالے سے بہت سے فطری، خیالی اور عملی مناظر و معلومات دان کرتی ہیں۔ جہاں زندگی اور زندگی سے جڑے عملی و تحریکی لوازمات کی موجودگی اس امر کی گواہ ہے کہ مجید امجد انسانیات اور ماحولیات کا قدآور شاعر ہے۔ (Ecology of hope) امید کا ماحول، توقعات کو مرنے نہیں دیتا، مایوسیوں سے بچاتا ہے اور رویوں میں مثبت تبدیلیاں لاتا ہے۔

مجید امجد کی نظم، امید اور صبر کا دامن پکڑے ہوئے رہتی ہے۔ اور شاعر مشکلات کے بھنور میں سے نکلنے کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال لینے کی کوشش میں رہتا ہے مجید امجد کی نظم بس سٹینڈ کے یہ چنیدہ اشعار دیکھیئے:

ضرور اک روز بدلے گا نظامِ قسمتِ عالم
بسے گی اک نئی دنیا، سجے گا اک نیا عالم
شبستاں میں نئی شمعیں، گلستاں میں نیا موسم
وہ رت اے ہم نفس جانے کب آئے گی!
یہ نو نمبر کی بس جانے کب آئے گی؟[۱۲]

مجید امجد کی شاعری دیہی جمالیات کے ماحول، دیہی سماج کے ماحول مظاہرِ فطرت، مقامی ثقافت، کے ماحول، دیہات کے ماحول اور ان مسائل و معاملات کا بیانیہ ہے جو دیہات کے محنت کش، کسان، دیہات کی محنت

کش عورت اور دیہات کے رہنے والے غریبوں کو درپیش ہیں۔ یہ پیشکش اردو شعرا کے ہاں بہت کم دکھائی دیتی ہے لیکن مجید امجد کے ہاں ان سبھی جھلکیوں کا وفور ہے جہاں سبز ادب ہے، ماحولیاتی شاعری کی فضا ہے۔ پرندے ہیں سرسبز اور لہلہاتی کھیتیاں ہیں۔ باغات ہیں، نت بدلتے موسموں کا ماحول ہے، نت نئے انداز اور نئے رنگوں میں متغیر ہوتی ہوئی زندگی کے ہوش ربا مناظر ہیں اور دور تک پھیلی ہوئی فطرت کے خوبصورت مناظر ہیں جنہیں دیکھ کر آنکھیں حیران رہ جاتی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ حقیقت کہ ان سبھی اشیا و عناصر سے جڑی ہوئی انسانی زندگی کا ہر وہ روپ ہے جہاں گھٹن، ہے، محکومی اور مجبوری ہے، تنہائی ہے محبت کرنے اور چاہے جانے کی خواہش ہے، تلسی کے پودے کی تیز ہوا میں لہلہاتی ٹہنیاں ہیں اور نلکے پر سے پانی بھرتی ہوئی ہمسائی کے ہاتھوں میں کھنکتی ہوئی چوڑیوں کی سرمست اور ریشمی آوازیں ہیں جو مجید امجد کی نظم کے ماحول پر سحر طاری کر دیتی ہیں۔

اس تمام گفتگو سے یہ ثابت ہوا کہ مجید امجد کی شاعری ہر طرح سے ماحولیات، مقامیت اور ثقافت کی شاعری ہے جس کا تعلق دیہات کے اس حسن اور سادگی سے ہے جو ہمیں ہمارے دیہاتوں کے مضافات میں ہر طرف بکھرا ہوا ملتا ہے۔

حواشی:

1. https://urdupoet.org/majeed-amjad/%DB%81%D8%B1%DB%8C-%D8%A8%DA%BE%D8%B1%DB%8C-%D9%81%D8%B5%D9%84%D9%88/
2. Ecovillage - Wikipediaen.wikipedia.org
3. https://www.rekhta.org/nazms/imroz-majeed-amjad-nazms?lang+=ur
4. https://www.nawaiwaqt.com.pk/13-May-2015/384486
5. https://www.sciencedirect.com/topics/psychology/ecological-variable

۶۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر (مرتب)، کلیات مجید امجد (نئی دہلی: فرید بک ڈپو، ۲۰۱۱ء) ص ۳۵۲

۷۔ نئیر، ناصر عباس، امجد: شخصیت اور فن، ص،، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۲۰۰۶ء) ص ۶۰

۸۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر (مرتب)، کلیات مجید امجد (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء) ص ۷۷

۹۔ عامر سہیل، ڈاکٹر سید، مجید امجد نقش گرِ ناتمام، (لاہور: پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۰۸ء) ص ۳۶۔۳۳۵

۱۰۔ نئیر، ناصر عباس، امجد: شخصیت اور فن، ص ۸۱

11. https://www.punjnud.com/ViewPage.aspx?BookID=13865&BookPageID=319 826&BookPageTitle=Aik%20Kohistani%20Safar%20Ke%20Douran%20Mein
12. https://www.rekhta.org/nazms/bus-satand-par-majeed-amjad-nazms?lang=ur&fbclid=IwAR2JyJnCr4PPaPQRnIu65EM9okQYfNgZQipNFO0ofv3r6aEQgT-WJXBXu1w